حافظ ظہور احمد اظہر
پروفیسر اورینٹل کالج، لاہور

مفتی قطب الدین محمد لاہوری

عثمانی سلاطین کے محبوب عالم دین

لاہور کے مردم خیز خطہ نے عربی زبان اور اسلامی علوم کے جن نامور فضلا کو جنم دیا ہے، ان میں سے ایک مولانا مفتی قطب الدین محمد لاہوری بھی تھے۔ آپ علوم الحدیث کے نامور، ثقہ اور مستند امام اور اسلامی تاریخ اور علوم اسلامیہ کے جلیل القدر عالم ہونے کے علاوہ عربی ادب کے ماہر اور ایک عمدہ شاعر بھی تھے۔ مفتی صاحب کا شمار بجا طور پر امام حسن صغانی لاہوری اور اس قبیل کے دیگر جلیل القدر علما و فضلا میں کیا جا سکتا ہے، جو لاہور میں پیدا ہوئے اور پھر علوم و معارف کی تلاش میں دیار عرب گئے اور عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کی تاریخ میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑ گئے۔

مفتی قطب الدین محمد ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) میں لاہور میں پیدا ہوئے[۱] اور یہیں اپنے والد مولانا ابوالعباس علاء الدین احمد نہروالی سے عربی و اسلامی علوم کی متداول کتابوں کی ابتدا کی۔ پھر ان کے ہمراہ حجاز چلے گئے جہاں ایک طویل مدت تک ان کا خاندان مکہ میں تدریس اور افتاء کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کا خاندان خالص عربی خاندان تھا جو عدن سے ہجرت کر کے بلاد گجرات میں وارد ہوا اور وہاں کے مشہور شہر نہروالہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ آپ کے بزرگوں کے نام یہ ہیں: مفتی قطب الدین محمد بن علاء الدین احمد بن شمس الدین محمد بن محمود قاضی خاں بن بہاء الدین بن یعقوب بن اسماعیل بن علی بن القاسم بن محمد بن ابراہیم بن اسماعیل حنفی حرفانی لاہوری ثم مکی، جو القطب النہروالی یا قطب الدین نہروالی (نہرانی غلط ہے) کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ مفتی قطب الدین محمد کے پردادا شیخ محمود الملقب بقاضی خاں قاضی کے منصب پر فائز تھے، پھر نامعلوم اسباب کی بنا پر ان کے والد لاہور آ گئے، اور یہاں سے حجاز چلے گئے

---

[۱] نزہۃ الخواطر ۴: ۲۸۶، فہرس الفہارس ۲: ۳۰۲

تھے ۵۲

یوں تو مفتی قطب الدین کے آباؤ اجداد علم و فضیلت کے مالک تھے ہی مگر ان کے والد کو یہ خصوصی شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے عہد کے ثقہ اور مستند محدث تھے۔ اسی طرح ان کی والدہ ماجدہ خسران بنت شیخ شمس الدین محمد بن عمر و الانصاری الشافعی بڑی زاہدہ و پاک دامن خاتون تھیں اور اپنے عہد کے ثقہ راویان حدیث میں شمار ہوتی تھیں۔ ۵۳

مفتی قطب الدین کے والد علاؤالدین احمد بن محمد نہروالی ثم مکی اپنے عہد کے جلیل القدر محدث اور عالم تھے۔ صاحب فہرس الفہارس نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے انھیں "خاتمۃ المحدثین و مفتی المسلمین" ۵۴ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ وہ ۸۷۰ھ میں نہروالہ صوبہ گجرات میں پیدا ہوئے اور اپنے عہد کے علما سے انھوں نے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ پھر نہروالہ سے لاہور آئے اور یہاں سے حجاز تشریف لے گئے جہاں انھوں نے شیخ عزالدین بن عبدالعزیز اور دیگر علمائے حجاز سے حدیث کی سند لی اور ایک مدت تک مکہ میں احمد شاہ گجراتی کے مدرسہ میں تدریس کے منصب پر فائز رہے۔ مفتی قطب الدین نے خود اپنے والد کے بارے میں لکھا ہے کہ بیت اللہ کے جوار میں قیام کے دوران ان کا یہ معمول تھا کہ یوم النحر کو جمرۃ العقبہ میں رمی کرنے کے بعد فوراً مکہ آجاتے۔ حطیم میں بیت اللہ کے سامنے بیٹھ جاتے۔ طواف کرنے والوں کو دیکھتے جاتے اور نماز مغرب تک اسی حالت میں بیٹھے رہتے۔ پھر مغرب کی نماز کے بعد سعی کرتے اور منیٰ کو لوٹ جاتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ہر سال اولیاء اللہ میں سے کوئی نہ کوئی حج کو ضرور آتا ہے۔ وہ اس موقع پر سب سے افضل کام کرے گا اور وہ ہے یوم النحر کے شروع میں طواف زیارت کرنا۔ میں اسی لیے یہاں بیٹھ جاتا ہوں تاکہ میں ان میں سے کسی کو طواف کرتے ہوئے دیکھ لوں یا ان کی نظر مجھ پر پڑے جو میرے لیے برکت اور سعادت کا باعث ہو۔ ۵۵ شیخ علاؤالدین آخر عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔

---

۵۲ ایضاً ۴: ۲۵، ۲۸۶، ایضاً ۲: ۳۰۲ نیز دیکھیے: Huart: A History of Arabic Literature p. 377

۵۳ فہرس الفہارس ۲: ۳۰۰

۵۴ ایضاً ۲: ۳۰۲

۵۵ الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام

مگر انھوں نے پھر بھی یہ معمول ترک نہ کیا۔ ۹۴۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ بقول صاحب نزہتہ الخواطر، وہ بڑے نیک، دیندار، متقی اور پرہیزگار تھے۔[۵۶]

ایسے والدین کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا، اس کے علم و زہد اور تقوی و فضیلت کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ مفتی قطب الدین نے اپنے والدین کے علاوہ دیار عرب کے دوسرے جلیل القدر فضلائے علوم اسلامیہ کی سند لی جن میں شیخ احمد محب الدین بن محمد العقیلی النویری المکی، شہاب الدین احمد بن موسیٰ المغربی المصری، زین الدین علی القرمانی، جمال الدین محمد الخرقانی، عبدالعزیز بن جمال الدین العباسی القطبی الشافعی، شیخ عبدالحق سنباطی المصری، محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن، الحطاب المالکی اور شیخ عبدالرحمٰن بن علی الربیع الشیبانی الزبیدی کا بھی شامل ہیں۔[۵۷]

مفتی قطب الدین کے اساتذہ میں سے ایک حافظ نور الدین ابوالفتوح احمد بن عبداللہ الطاؤسی الشیرازی الحنفی الخرقانی بھی ہیں، جو معمر محدثین یعنی طویل عمر پانے والے محدثین میں سے تھے اور خراسان کے ان صوفیہ کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے، جو" طائفہ طاؤسیہ خرقانیہ" کہلاتا تھا۔[۵۸] حافظ ابوالفتوح بڑے نیک اور پرہیزگار صوفی اور محدث تھے۔ انھوں نے شیخ بابا یوسف ہروی سے حدیث سنی تھی جو "سہ صدسا" یعنی تین سو سالہ کے لقب سے مشہور تھے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کا تذکرہ اکثر ملتا ہے۔ مفتی قطب الدین لاہوری نے حافظ ابوالفتوح سے اپنے والد کے واسطے سے بھی روایت کی ہے اور براہ راست بھی۔ انھیں اس طریق اسناد حدیث پر بڑا فخر تھا، کیونکہ اس طرح وہ تساعی حدیث کا راوی ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں اور تساعی حدیث وہ ہے جس میں ایک محدث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آٹھ واسطے ہوں اور نواں وہ خود محدث ہو۔ اس سند کا متصل سلسلہ یوں ہے: قطب الدین محمد لاہوری عن الحافظ ابی الفتوح عن شیخ یوسف الھروی عن محمد بن شادبخت الفارسی عن یحیی بن عمار الختلانی عن محمد

---

۵۶ نزہتہ الخواطر ۴: ۲۶

۵۷ تفصیل کے لیے دیکھیے نزہتہ الخواطر ۴: ۲۸۵ - النور السافر ص ۲۱۲-۲۳۶ - البدر الطالع ۱: ۳۳۶ الاعلام ۷: ۲۸۶، شذرات الذہب ۸: ۲۸۵

۵۸ دیکھیے فہرس الفہارس ۲: ۴۷، ۳۰۴

بن یوسف الفربری عن محمد بن اسماعیل البخاری صاحب الجامع الصحیح۔ [۹]

مفتی صاحب نے تحصیل علوم کی خاطر مصر کا سفر بھی کیا تھا۔ اس سفر کے دوران انھوں نے جلال الدین سیوطی کے تلامذہ سے اکتساب فیض کیا۔ اسی طرح قاضی زکریا انصاری اور حافظ عبد الحق سنباطی سے بھی حدیث کی سند حاصل کی۔ یہ دونوں حافظ ابن حجر عسقلانی کے مشہور[۱۰] شاگرد تھے۔ سفر مصر کے دوران مفتی قطب الدین کو ایک اور اہم شخصیت سے ملاقات اور اجازت روایت کا شرف حاصل ہوا اور وہ تھے المتوکل الثالث محمد بن یعقوب العباسی جو بنو عباس کے ان برائے نام خلفا میں سے سب سے آخری خلیفہ تھے جو سقوط بغداد کے بعد مصر کے مملوکوں کے زیر اثر ایک مدت تک مسند خلافت پر فائز رہے اور بالآخر سلطان سلیم عثمانی کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے۔ یہ محمد بن یعقوب خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ ادیب، عالم اور اچھے شاعر بھی تھے۔[۱۱]

مفتی صاحب نے اپنے سفر مصر اور عباسی خلیفہ متوکل ثالث محمد بن یعقوب سے اپنی ملاقات کے کوائف اپنی کتاب "الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام"[۱۲] میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"سلطنت عثمانیہ کے عہد تک اس عباسی خلافت کا نام باقی رہا اور خلیفہ یعقوب جس کا نام المستمسک باللہ تھا، سلطان سلیم خاں عثمانی کے عہد تک زندہ تھا۔ اگرچہ بوڑھا ہو گیا تھا اور بینائی جاتی رہی تھی۔ مستمسک باللہ ۹۲۷ھ میں فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کا بیٹا محمد بن یعقوب جانشین مقرر ہوا اور متوکل علی اللہ لقب اختیار کیا۔ سلطان سلیم نے جب مصر فتح کر کے چرکسی مملوکوں کا خاتمہ کر دیا تو متوکل کو اپنے ساتھ استنبول لے گیا۔ سلطان کی وفات کے بعد متوکل کو مصر آنے کی اجازت مل گئی چنانچہ ۹۵۰ھ میں اپنی وفات تک وہ مصر میں مقیم رہا۔ بقول مفتی قطب الدین یہ متوکل بڑا عالم فاضل، اور شاعر تھا۔ اس کے یہ دو شعر ہیں:

۹۔ نزہۃ الخواطر ۴: ۲۸۶، فہرس الفہارس ۲: ۲۹۹، الاعلام ص ۴ بعد۔

۱۰۔ شذرات الذہب ۸: ۱۷۵، فہرس الفہارس ۲: ۳۰۰

۱۱۔ تاریخ ابن ایاس ۴: ۱۴۰، الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۱۸۴۔

۱۲۔ ۱۸۴ بعد

لم یبق من محسن یرجی ولاحسن ولا کریم الیہ مشتکی الحزن

وانما ساد قوم غیر ذی حسب ماکنت اوثر ان یمتد بی زمنی

(نہ کوئی محسن باقی رہا جس سے کہ اچھائی کی امید ہوسکے اور نہ کوئی شریف باقی رہا ہے جس سے کہ رنج والم کا شکوہ کرسکیں۔

اب تو حال یہ ہے کہ غیر شریف لوگ سردار بن گئے ہیں اس لیے مجھے یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ میری عمر لمبی ہو)

خلیفہ سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے مفتی صاحب لکھتے ہیں[13]: "۹۴۳ھ میں جب میں حصول علم کی خاطر مصر گیا تو میں ان (منوکل ثالث) سے بھی ملا اور ان سے بہت کچھ اخذ کیا۔ اس زمانے میں مصر میں بڑے بڑے عالم و فاضل لوگ موجود تھے اور مشائخ کرام کی برکات بھی وہاں عام تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے مصر ایک دلہن ہے جو آفتاب و مہتاب اور ستاروں کے جھرمٹ میں رواں ہے:

ثم انقضت تلک السنون واھلھا فکانھا وکانھم احلام

(پھر وہ زمانہ بھی بیت گیا اور اہل زمانہ بھی۔ اب یوں لگتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک خواب تھا)

مفتی قطب الدین ترکوں کے محبوب عالم دین تھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ترکوں کے دلوں میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے خلوص و محبت کے جو جذبات پائے جاتے ہیں، ان کا ایک بہت بڑا سبب ہمارے علمائے دین تھے جنھوں نے ہر مرحلے پر عثمانی ترکوں کی امداد و حمایت کو اپنے ایمان کا جزو سمجھا۔ ہر مشکل میں ان کے ساتھ رہے اور ان کی زبانی، قلمی اور مالی معاونت کرتے رہے۔ خصوصیت کے ساتھ وہ "ہندی" علما جو ترکی خلافت کے زمانے میں حرمین میں جاکر مقیم ہوگئے اور سلاطین آل عثمان کی خیر خواہی اور فتح و نصرت کے لیے ہر وقت دست بدعا رہے۔ مفتی قطب الدین بھی علما کے اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھیں ترکوں کے دلوں میں جو قدر و منزلت حاصل تھی، اس کا اندازہ امام شوکانی ایسے جلیل القدر محدث اور مؤرخ کے ان الفاظ سے ہوسکتا ہے جو انھوں نے مفتی قطب الدین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھے ہیں: "ترکوں کے ہاں انھیں بہت بڑی عزت اور منزلت حاصل تھی۔ ترک زعما و قائدین میں سے جب بھی کوئی حج کو آتا تو ان سے

---

[13] الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۱۸۵

ملے بغیر واپس نہ لوٹتا۔ ترک مفتی صاحب کے مقابلے میں اور کسی عالم کو پسند نہ کرتے تھے اور انھیں بڑے بڑے عطیات سے نوازتے تھے۔ وہ ان گراں قدر عطیات سے نفیس قسم کی کتابیں خریدتے اور ضرورت مندوں کو دیتے تھے۔ اس طرح ان کے پاس جو ذخیرۂ کتب جمع ہو گیا تھا شاید ہی کسی اور عالم کے پاس ہو[۱۴]

خود مفتی صاحب کو ترکوں سے جو قلبی لگاؤ تھا، اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے بآسانی ہو سکتا ہے[۱۵]: "حق و صداقت کی تلواریں صرف چار ہیں۔ ان کے علاوہ ہر تلوار آتش جہنم کے قابل ہے۔ ایک وہ شمشیر رسالت جو مشرکین کے خلاف اٹھی۔ دوسری وہ شمشیر صدیقی جو مرتدین و مانعین زکوٰۃ کے خلاف نیام سے باہر آئی۔ تیسری شمشیر علوی جو باغیوں کی سرکوبی کے لیے بے نیام ہوئی۔ چوتھی شمشیر حق وہ ہے جو مسلمانوں کا قصاص لینے کے لیے نیام سے نکالی جائے اور آل عثمان کی تلواریں ان چار اصناف سے باہر نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ روز اول سے آج تک کفار و مشرکین کے خلاف مصروف جہاد ہیں۔ ملحدوں اور باغیوں کے سر کچل رہے ہیں اور دین اسلام کے شعائر اور مسلمانوں کی حفاظت و دفاع میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سلطنت کا سایہ مسلمانوں پر عام کرے۔ ان کے ذریعہ اہل سنت کی تائید کرے اور ان کے سبب تمام ملحدین و مرتدین کا قلع قمع ہو۔ تمام فرق اسلامیہ کو یہ دعا کرنی چاہیے کیونکہ یہ سلاطین آل عثمان اسلام کے ستون، دین متین کو قائم کرنے والے اور دنیا میں اسے عام کرنے والے ہیں۔ اس سلطنت شریفہ کے لیے دعا کرنا اصل میں تمام اہل اسلام کے لیے دعا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو عزت و سربلندی بخشنے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی نصرت و امداد کرنے کے مترادف ہے۔"

ترک سلاطین سلیمان اعظم، سلطان سلیم خاں ثانی اور سلطان مراد خاں سے مفتی صاحب کے تعلقات رہے اور ان کی طرف سے انھیں وقتاً فوقتاً انعامات ملتے رہے۔ ۹۴۳ھ میں جب وہ استنبول گئے تو سلیمان اعظم کے دربار میں باریابی حاصل ہوئی[۱۶]۔ سلطان مراد خاں سے تو ان کے بڑے گہرے روابط تھے اس نے اپنے عہد سلطنت میں بیت اللہ کی تعمیر و اصلاح کی طرف توجہ دی۔ مکہ معظمہ میں ایک اسلامی درس گاہ قائم کی اور مفتی صاحب کو مسند صدارت کا اعزاز بخشا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے ذاتی طلابس میں سے

---

[۱۴] البدر الطالع ۲: ۵۷ [۱۵] الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۳۸۸

[۱۶] ایضاً ص ۲۹۹

دو قیمتی شالیں ہدیۃً بھیجیں اور ایک سو دینار مقرر کیے۔[116]

ترک وزرائے اعظم میں سے ایاس پاشا، سنان پاشا، لطفی پاشا، اور علی پاشا کے ساتھ مفتی قطب الدین صاحب کے ذاتی مراسم تھے۔ ۹۴۳ھ میں جب انھیں استنبول کا پہلا سفر پیش آیا تو ایاس پاشا اس وقت سلیمان اعظم کا وزیر اعظم تھا، اور مفتی صاحب کے والد مولانا احمد علاء الدین سے خط و کتابت رکھتا تھا۔ استنبول میں قیام کے دوران اس نے مفتی صاحب کی بڑی قدر و منزلت کی اور خلیفہ سے ان کی ملاقات بھی کرائی۔[117] سنان پاشا تو مفتی صاحب کا محبوب رہنما تھا۔ اس نے کئی ایک ممالک فتح کیے تھے، جن میں تونس اور یمن بھی شامل تھے۔[118] لطفی پاشا بہت بڑا حنفی فقیہ، اور عالم تھا۔ ۹۴۹ھ میں جب وہ حج کے لیے آیا تو مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی اور ترکی زبان میں اپنی کتاب شرح فقہ اکبر انھیں دکھائی اور ساتھ ہی درخواست کی کہ اس شرح کو فارسی اور عربی زبانوں میں ڈھال دیا جائے۔ مفتی صاحب نے یہ کام بطیب خاطر انجام دیا اور انعام سے نوازے گئے۔[119] ۹۶۵ھ میں جب مفتی صاحب دوسری مرتبہ استنبول گئے تو اس وقت علی پاشا وزیر اعظم تھا۔ ملاقات کے دوران اس نے مفتی صاحب کو اپنی بعض فتوحات کے واقعات سنائے۔ اس پر انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ جس طرح قدیم سے مسلم سلاطین کی فتوحات کو تاریخ میں محفوظ کیا جاتا رہا ہے اس طرح ان عثمانی فتوحات کو بھی ایک کتاب میں محفوظ کر دینا ضروری ہے کیونکہ گردشِ ایام کے ساتھ یہ واقعات انسانی یادوں سے محو ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ عربی دیوان الانشا کے سربراہ مولانا علی چلپی الحمیدی کو اس کام پر مامور کیا گیا مگر مفتی صاحب کو افسوس ہے کہ یہ کام تکمیل پذیر نہ ہو سکا۔[120]

مفتی قطب الدین ایک مدت تک مکہ میں درس و تدریس اور روایت حدیث میں مشغول رہے۔ مکہ میں احمد شاہ والئ گجرات کے قائم کردہ مدرسہ میں انھوں نے پڑھا بھی اور پڑھایا بھی۔ وہ سلیمان اعظم کے مکہ میں قائم کردہ مدرسہ حنفیہ سلیمانیہ میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور جب سلطان

---

[116] ایضاً ص ۲۱۶

[117] ایضاً ص ۲۶۶

[118] ایضاً ص ۲۹۹

[119] ایضاً ص ۳۰۰

[120] ایضاً ۳۰۴

مرادخاں کا زمانہ آیا تو اس نے جہاں ان کے مشاہرے میں اضافہ کیا وہاں مکہ مکرمہ کا مفتی اعظم بھی مقرر کیا۔ اپنی وفات تک وہی یہ دونوں فریضے انجام دیتے رہے۔ مفتی صاحب کی وفات کے بارے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شوکانی[۵۲۲] نے ان کی تاریخ وفات ۹۹۰ھ بتائی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی تاریخ وفات اس جملے سے نکلتی ہے "قد مات قطب الدین اجل علماء مکۃ" "النور السافر" کے مصنف نے بھی تاریخ وفات یہی لکھی ہے۔[۵۲۳] ڈاکٹر زبید احمد[۵۲۴] اور جرجی زیدان[۵۲۵] نے بھی اسی کا تتبع کیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ۹۹۷ھ میں جب سلطان مراد نے اہل مکہ کے لیے انعامات و عطیات ارسال کیے تو مفتی صاحب کو اپنے ذاتی توشہ خانے میں سے دو شالیں بھی ارسال کی تھیں اور اس کا ذکر کرتے ہوئے مفتی صاحب نے اپنی تاریخ مکہ (الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۴۱۶) میں اس بات کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور صاحب نزہۃ الخواطر (۴: ۲۸۹) نے بھی اس بیان پر اعتماد کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مفتی قطب الدین لاہوری کی وفات ۹۹۷ھ/۱۵۸۹ء میں ہوئی۔[۵۲۶]

مفتی صاحب کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ دسویں صدی ہجری میں جو عظیم محدثین ہوئے ہیں، ان میں مفتی قطب الدین لاہوری ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اس دور میں حدیث کی جو اعلیٰ سند انھیں نصیب تھی، وہ اور کسی عالم کو حاصل نہ تھی اور جو طریقہ انھوں نے حدیث کی روایت کا اخذ کیا وہ ابن حجر کی نظروں سے بھی اوجھل تھا اور اس پر مفتی قطب الدین کو بجا طور پر فخر تھا۔[۵۲۷] ان سے علما کی جس کثیر تعداد نے حدیث اخذ کی ہے، ان میں مولانا عبداللہ بن سعداللہ لاہوری ثم مدنی، احمد الشناوی، محمد ابن العجل اور نورالدین ابن مطیر ایسے جلیل القدر محدثین بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مراکش، تونس، الجزائر، مصر، عراق، شام، حجاز، ترکی، یمن اور برصغیر پاک و ہند کے ہزاروں

---

۵۲۲ البدر الطالع ۲: ۵۸

۵۲۳ النور السافر ص ۳۸۲

۵۲۴ Contribution of India to Arabic Literature P. 444

۵۲۵ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ۳: ۳۲۱، نیز دیکھیے فہرس الفہارس ۲: ۳۰۲

۵۲۶ دیکھیے الاعلام ۶: ۲۳۴ از خیر الدین زرکلی ۵۲۷ فہرس الفہارس ۲: ۳۰۱

علما نے ان سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔[۵۲۸]

اس میں شک نہیں کہ مفتی قطب الدین کی اصل شہرت زیادہ تر ایک جلیل القدر محدث اور بلند پایہ فقیہ کی حیثیت سے تھی لیکن بایں ہمہ وہ عربی زبان کے اچھے شاعر بھی تھے۔ اگرچہ ان کی شاعری نعت رسولؐ، ترک سلاطین اور وزرا کی مدح و ستائش اور بعض دوستوں کے مرثیوں تک محدود تھی، مگر ان کی شاعری میں فصاحت و بلاغت اور لفظی اسلوب کے محاسن کے ساتھ معانی و افکار کی گہرائی اور ندرت کی چاشنی بھی موجود ہے۔ اس بات کا احساس خود مفتی صاحب کو بھی تھا۔ چنانچہ ترکوں کی فتوحات کے متعلق اپنی تاریخ البرق الیمانی فی فتح العثمانی کا آغاز انھوں نے اپنے ایک قصیدے سے کیا ہے۔ اس قصیدے کا ذکر وہ ایک جگہ ان الفاظ میں کرتے ہیں[۵۲۹]: "وکنت صدرت ذلک التاریخ بقصیدۃ طنانۃ من نظمی الطنان، سارت بہا الرکبان وتلقتہا بالقبول ادباء علماء البلدان احببت ایرادہا ہہنا لبلاغتہا عند علماء البیان وفصحاء اللسان، تسابق الفاظہا ومعانیہا الی الآذان والاذہان تسابق افراس الرہان یعد کل بیت منہا بدیوان وتسحب کل کلمۃ منہا اذیال البلاغۃ علی سحبان۔" (میں نے اپنی اس کتاب تاریخ کا آغاز اپنے ایک پُرشکوہ قصیدے سے کیا ہے۔ یہ وہ قصیدہ ہے جسے قافلے کرۂ دنیا کے ہر گوشے میں پہنچے اور جسے ہر جگہ کے ادبا و علما نے شرف قبولیت بخشا ہے۔ میں نے اس قصیدے کو یہاں نقل کرنا پسند کیا ہے کیونکہ علمائے بیان اور فصحائے لسان کے ہاں یہ بلند درجہ رکھتا ہے اور اس کے الفاظ و معانی گوش و ہوش کی طرف یوں سبقت کرتے ہیں جس طرح میدان مقابلہ میں دوڑنے والے گھوڑے۔ اس قصیدے کا ہر شعر دیوان کا درجہ رکھتا ہے اور ہر لفظ سحبان وائل کی بلاغت کو مات کرتا ہے)۔

اس قصیدے میں سلطان سلیم خاں کی مدح کے ساتھ سنان پاشا کو یمن کی فتح پر خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ مطلع یہ ہے:

---

[۵۲۸] تفصیل کے لیے دیکھیے الامداد ص ۵۷، الامم ص ۴۸-۵۰، قطف الثمر ص ۱۳، اتحاف الاکابر ص ۶۱، نزہۃ الخواطر ۴: ۲۸۶ بعد، فہرس الفہارس ۲: ۲۹۱ بعد۔ [۵۲۹] الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام، ص ۳۶۶

لك الحمد یا مولای فی السر والجهر — علی عزة الاسلام والفتح والنصر

(اے خدا خفیہ و علانیہ حمد و ستائش تیرے ہی لیے ہے کہ تو نے اسلام کو عزت، فتح اور نصرت عطا کی)

سلطان سلیم کی مدح میں یہ دو شعر قابلِ ذکر ہیں:

شہنشاہ سلطان الملوك جمیعهم — "سلیم" كريم ماصلہ الطیب النجر

عماد يلوذ المسلمون بظلہ — وسد منيع للانام من الكفر

(شہنشاہ یعنی دنیا کے تمام بادشاہوں کا بادشاہ سلیم جو بڑا کریم النفس ہے اور پاک نہاد ہے وہ ایک ستون ہے جس کے سایہ میں مسلمان پناہ لیتے ہیں اور ایک محفوظ بند ہے جو لوگوں کو کفر سے بچاتا ہے)

مفتی صاحب کے اشعار منتشر شکل میں موجود ہیں اور زیادہ تر ان کی اپنی تصانیف البرق الیمانی اور الاعلام میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ تذکرہ نگاروں نے بھی ان کے اشعار کے منتخب نمونے دیے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ شیخ عبدالقادر بن عبداللہ عیدروسی صاحب النور السافر نے تو ان کے کلام کے بڑے نادر نمونے جمع کر دیے ہیں[۵۳]۔

مفتی قطب الدین لاہوری نے کوئی ایک درجن کے قریب تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سے ایک مکہ مکرمہ کی مفصل و مکمل تاریخ ہے۔ اس میں ضمنی طور پر کئی ایک اہم تاریخی حوادث بھی قلم بند کر دیے گئے ہیں جو ایک نہایت ہی قیمتی تاریخی مواد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کتاب کا نام الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ہے اور یہ دو مرتبہ چھپ چکی ہے۔ دوسری اہم کتاب ترکوں کے غزوات و فتوحات کی تاریخ ہے اور اس کا نام ہے البرق الیمانی فی الفتح العثمانی' جو ابھی تک طبع نہیں ہوئی اور اس کا خلاصہ چھپ چکا ہے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ مفتی صاحب کی مندرجہ ذیل کتابیں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں اور ابھی تک تحقیق و اشاعت کی منتظر ہیں (۱) منتخب التاریخ فی التراجم (۲) ابتهاج الانسان (۳) التمثل والمحاضرة بالابیات المفردة النادرة (۴) طراز الاسمار (۵) تحفة الاصحاب و نزهة ذوی الالباب (۶) الهداية الرحمانية الى طريقة السادة الخرقانية (۷) تاریخ فتح تونس (۸) الفوائد السنية فی الرحلة المدنية والرومية۔

۵۳۔ النور السافر ص ۳۸۲